انشورنس کے متبادل ''نظامِ تکافل'' پر ایک نظر، ایک جائزہ

مولانا محمد راشد ڈسکوی صاحب، جامعہ فاروقیہ، کراچی

چودھویں صدی ہجری میں جب دوسرے ممالک میں بحری سفر کے ذریعے تجارت کا عام معمول تھا تو ان اسفار میں کبھی یہ جہاز بحری قزاقوں کے ہاتھوں لوٹ لئے جاتے اور کبھی سمندری طوفان کی نظر ہو کر غرق ہو جاتے، جس کی بناء پر تاجروں کا لاکھوں، کروڑوں کا نقصان ہو جاتا، لہذا بحری سفر کے اس ہونے والے نقصان سے بچاؤ کے لئے یا اس نقصان کی تلافی کے لئے ''بیمہ'' کا آغاز ہوا، چنانچہ بیمہ کا مفہوم یہ بنے گا کہ:

''انسان کو مستقبل میں جو خطرات پیش آنے والے ہوں، کوئی انسان یا ادارہ ضمانت لے لے کہ فلاں قسم کے خطرات (Risks) کے نتیجے میں ہونے والے نقصان کے مالی اثرات کی میں تلافی کروں گا''۔

اس کو اردو میں ''بیمہ''، انگریزی میں ''انشورنس، Insurance'' اور عربی میں ''التـأمین'' کہتے ہیں۔

علامہ شامیؒ کے زمانے میں یہ رواج ہو گیا تھا کہ بعض لوگ تاجروں کا سامان سمندر کے راستے سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے تو اس سامان کا کرایہ لینے کے علاوہ کچھ مزید متعین رقم بھی لیتے تھے اور وہ اس زائد متعین رقم کے عوض اس بات کی ضمانت دیتے کہ اگر کسی تاجر کا مال ہلاک ہو گیا تو رقم لینے والا اس کی تلافی کرے گا، یہ زائد رقم جو لی جاتی تھی اس کو ''سوکرہ'' کہتے تھے، ''سوکرہ'' کا مطلب بیمہ اور ضمانت (Security) کے ہیں، یہ مذکورہ صورت بحری بیمہ (Marine insursnce) کی تھی۔

علامہ شامیؒ نے اس صورت کے ناجائز ہونے کا فتویٰ جاری کیا اور فرمایا:

''والذی یظهرلی أنه لایحل للتاجر أخذ الهالک من ماله، لأن هذا التزام مالم یلزم'' (رد المحتار، کتاب الجهاد، باب المستامن، مطلب مهم فیما یفعله التجار......:۶/۲۸۱،دار عالم الکتب)

ترجمہ:۔''میرے نزدیک تاجر کے لئے مال کی ہلاکت کی صورت میں اس کا عوض لینا حلال نہیں، کیونکہ (تاجر سے زائد رقم لے کر یہ وعدہ کرنا کہ اگر تمہارا مال ہلاک ہوگیا تو اس مال کا عوض میں تمہیں ادا کروں گا) یہ ایک ایسا التزام ہے، جو شرعاً لازم نہیں ہوتا''۔

اس کے بعد وقت کے ساتھ ساتھ بیمہ کی کئی صورتیں وجود میں آئیں، مثلاً: عام بیمہ، آگ کا بیمہ، صحت کا بیمہ، زندگی کا بیمہ، وغیرہ۔ بیمہ کی مذکورہ بالا تمام اقسام جمہور علماءِ امت کے نزدیک ناجائز ہیں۔ عدمِ جواز کی وجہ ان صورتوں میں سود، قمار اور غرر کا پایا جانا ہے۔ پھر اس جدید، ترقی یافتہ دور میں بیمہ کی ضرورت اور اہمیت کی وجہ سے اس کے جائز متبادل کی کوششیں شروع ہوئیں، اسی تناظر میں ''تکافل کی شرعی حیثیت'' کے کلماتِ تشکر میں ''پاک قطر فیملی تکافل کمپنی لمیٹڈ'' کے چیف ایگزیکٹو آفیسر جناب پی احمد صاحب لکھتے ہیں:

''موجودہ حالات میں انشورنس کی ضرورت مخفی نہیں، بلکہ بعض ملکوں میں لائف انشورنس کی بہت سی صورتیں ہر شہری کے لئے قانونی طور پر بھی لازمی ہیں، لیکن چونکہ انشورنس نظام میں کئی غیر شرعی عناصر تھے، جس کی وجہ سے علماءِ کرام نے ہر دور میں مسلمانوں کو اس نظام کا حصہ بننے سے منع فرمایا، ضرورت چونکہ اپنی جگہ مسلّم تھی، لہٰذا اس نظام کے جائز متبادل کی کوششیں ہوئیں، الحمدللہ! محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی توفیق سے جید مفتیانِ کرام کی نگرانی میں انشورنس نظام کا جائز متبادل ''نظام تکافل وجود'' میں آیا''۔ (تکافل کی شرعی حیثیت ص:۱۱)

چنانچہ ۲۰۰۵ء میں پاکستان میں سب سے پہلے ''پاک کویت تکافل کمپنی لمیٹڈ'' نے کام شروع کیا، پھر ۲۰۰۶ء میں ''تکافل پاکستان لمیٹڈ'' کے نام سے دوسری کمپنی شروع ہوئی، پھر ۲۰۰۷ء میں ''پاک قطر فیملی/جنرل تکافل کمپنی لمیٹڈ'' شروع ہوئی اور ''داؤد تکافل کمپنی لمیٹڈ'' بھی پاکستان میں کام کررہی ہے۔ نظامِ تکافل کو مختلف قسم کی بنیادوں پر استوار کیا گیا، تاکہ یہ اُن خرابیوں سے پاک ہوجائے جو انشورنس میں موجود تھیں، لیکن پاکستان میں اس کی بنیاد وقف کے قواعد پر رکھی گئی ہے، اس نظام کے تفصیلی تعارف پر اب تک دو کتابیں اردو میں، ایک مولانا مفتی اعجاز احمد صمدانی صاحب کی ''تکافل، انشورنس کا اسلامی متبادل'' اور دوسری کتاب مفتی عصمت اللہ عصمہ اللہ صاحب کی ''تکافل کی شرعی

حیثیت'' شائع ہو چکی ہیں۔

جوں جوں اس نظام کو فروغ ملتا گیا ویسے ویسے لوگوں کی طرف سے سوالات بڑھتے گئے، چنانچہ اس نظام کو سمجھنے اور جانچنے کے لئے (کہ آیا یہ نظام واقعتاً ان خرابیوں سے اپنا دامن بچا سکا ہے یا نہیں؟) مطالعہ شروع کیا، پھر میری اس کوشش کو مزید تقویت اس بات سے بھی ملی، جو مفتی عصمت اللہ صاحب نے کتاب ''تکافل کی شرعی حیثیت'' کے ''حرفِ مؤلف'' میں لکھی کہ:

''جو حل نکالا گیا ہے، اس کے بارے میں یہ دیکھا جائے گا کہ یہ قرآن وحدیث کے کسی ''اصول مقررہ'' کے خلاف تو نہیں اور اس میں ایسا کوئی عنصر تو نہیں پایا جاتا، جو قرآن وحدیث سے متصادم ہو۔ اگر اس حل میں ایسی کوئی بات موجود نہ ہو اور حل قواعدِ شرعیہ کے خلاف نہ ہو، تو وہ جائز حل ہوگا اور اس کے مطابق عمل کرنا جائز ہوگا، جسے آج کل کی زبان میں ''Shariah Complaint'' بھی کہا جاتا ہے، اس کے معنی یہی ہیں کہ یہ قرآن وسنت اور اس سے مستخرج ومستنبط، ضوابط وقواعد اور اصول کے خلاف نہیں''۔ (ص:۱۳)

اس پورے نظام تکافل کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ نظامِ تکافل ''کمپنی اور شخصِ قانونی'' کے تصور کے بغیر بالکل ناقص، ادھورا اور نامکمل ہے۔ ان دونوں کا کردار اگر اس نظام میں نہ ہو تو مجوزین حضرات ہی کے بقول اس نظامِ تکافل سے وہ خرابیاں دور نہ ہو سکیں گی، جو انشورنس میں موجود ہیں اور جن کی بناء پر انشورنس کی حرمت کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

جبکہ! کمپنی کی شرعی حیثیت، کمپنی کی محدود ذمہ داری اور شخصِ قانونی کے شرعاً تسلیم ہونے پر نہ تو فقہی نظائر تسلی بخش ہیں اور نہ ہی ان پر وقت کے جمہور اکابر علمائے کرام ومفتیانِ عظام کا اظہارِ اطمینان ہے۔ ان تصورات کے پیش کرنے والوں کو جب اس حوالے سے اشکالات اور عدمِ اطمینان کی وجوہات تحریر کرکے ارسال کی گئیں تو بھی تسلی بخش اور فقہی اعتبار سے مضبوط ومدلل جواب سامنے نہ آیا اور پھر تعجب تو اس بات پر ہے کہ ان امور میں جو بحث اور دلائل وغیرہ قائم کئے گئے ہیں، ان کے بارے میں خود ان احباب کی طرف سے جزماً کوئی دوٹوک مؤقف اختیار کرکے قابلِ عمل قرار نہیں دیا گیا اور نہ ہی اس پر فتویٰ دیا گیا ہے، بلکہ ابھی تک مجوزین حضرات اسے ''ایک ابتدائی سوچ'' ہی قرار دیتے ہیں، چنانچہ اس بارے میں جناب حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اپنی تازہ ترین تالیف ''غیر سودی بینکاری'' میں لکھتے ہیں کہ:

''اس مسئلے کے بارے میں بندے نے جو کچھ لکھا ہے، اس میں یہ بات صاف صاف لکھی ہے کہ یہ میری طرف سے کوئی حتمی فتویٰ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک سوچ ہے جو

اہل علم کے غور کے لئے پیش کی جارہی ہے،......... جہاں تک محدود ذمہ داری کے تصور کا سوال ہے، مجھے خود پہلے بھی اس پر جزم نہیں تھا اور جو ابتدائی میلان ظاہر کیا تھا، اس پر بھی نظرِ ثانی کی ضرورت سمجھتا ہوں اور جو دلائل اس کے خلاف دیئے گئے ہیں، ان میں بعض دلائل واقعۃً وزنی ہیں‘‘۔

(غیر سودی بینکاری،ص:۴۴۳،۳۳۹،مکتبہ معارف القرآن،کراچی)

جب ایسی بات ہے کہ اس پر نہ کوئی فتویٰ دیا گیا ہے، نہ اس بارے میں ابھی تک کوئی حتمی بات کی گئی ہے اور پھر اس کے خلاف قائم کئے گئے دلائل بھی وزنی ہیں، تو پھر اس نظریئے پر پوری عمارت کھڑی کردینا اور اس پر اسلامی اور صحیح متبادل ہونے کا عنوان چسپاں کردینا، اسی پر بس نہیں، بلکہ اس کی بھرپور تشہیر کرنا اور اس کی دعوت عام دینا اور زیادہ معنی خیز ہے۔ شخصِ قانونی اور محدود ذمہ داری کی خرابیوں اور کمزوریوں پر تفصیلی کلام جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے شائع ہونے والی کتاب ’’مروجہ اسلامی بینکاری‘‘ اور جامعہ خلفائے راشدینؓ کراچی کے مفتی احمد ممتاز صاحب زیدمجدہ کی جناب مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زیدمجدہ کی کتاب ’’غیر سودی بینکاری‘‘ کے جواب میں لکھی گئی کتاب ’’غیر سودی بینکاری، ایک منصفانہ علمی جائزہ‘‘ اور جناب ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب زیدمجدہ کی کتاب ’’جدید معاشی مسائل اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کے دلائل کا جائزہ‘‘ اور جناب مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی کتاب ’’غیر سودی بینکاری‘‘ کے جواب میں لکھی گئی کتاب ’’ہدیۂ جواب‘‘ میں کیا گیا، **من شاء فلیراجع۔**

اس موضوع پر مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوا کہ تکافل کا مروجہ طریقہ کار بھی ان خرابیوں سے دامن نہیں بچا سکا ہے، جو انشورنس میں پائی جاتی ہیں۔ ذیل میں چند باتیں بطور تمہید ذکر کرنے کے بعد اس نظام کی کمزوریاں تفصیل سے ذکر کی جائیں گی:

۱......مروجہ نظام میں چند افراد مل کر ایک کمپنی قائم کرتے ہیں، پھر نقود کی کچھ مقدار وقف کرکے وقف فنڈ قائم کرتے ہیں، چنانچہ تکافل پالیسی اختیار کرنے والے ہر قسم کے تکافل کے اعتبار سے ماہانہ فیس جمع کرواتے ہیں، جس کا ایک حصہ وقف فنڈ میں ڈال دیا جاتا ہے اور ایک حصہ تجارت میں لگایا جاتا ہے، وقف فنڈ میں ڈالا جانے والا حصہ اس پالیسی ہولڈر کی ملکیت سے نکل کر وقف فنڈ کی ملکیت میں داخل ہوجاتا ہے، دوسری طرف فنڈ قائم کرنے والے فنڈ کے مصارف (یعنی موقوف علیہم) کے لئے شرائط نامہ مرتب کرتے ہیں کہ پالیسی ہولڈر جب فنڈ کو اتنا...... چندہ دے گا تو بوقتِ ضرورت اس کی اس فنڈ سے اتنی مقدار...... میں مدد کی جائے گی اور جب اتنی مقدار...... میں چندہ دے گا تو اس کی اس فنڈ سے اتنی ...... مدد کی جائے گی۔

دوسری بات: تکافل پالیسی اختیار کرنے والے افراد غریب نہیں، بلکہ امیر تر ہوتے ہیں

(ماہانہ قسطیں ادا کرنا عام افراد کے بس کی بات نہیں ہوتی)۔

تیسری بات: ابتداءً وقف فنڈ قائم کرنے والے خود اپنا بھی تکافل کرواتے ہیں اور اپنی ہی وضع کردہ شرائطِ وقف کے تحت خود بھی مال موقوفہ کے فوائد سے منتفع ہوتے ہیں۔ نظامِ تکافل کی بنیادوں میں یہ بات درج ہے:

''تنشئی شرکة التأمین الإسلامی صندوقاً للوقف وتعزل جزءاً معلوماً من رأس مالها یکون وقفاً علی المتضررین من المشترکین فی الصندوق حسب لوائح الصندوق وعلی الجهات الخیریة فی النهایة''. (تأصیل التأمین التکافلی علی أساس الوقف، للشیخ المفتی تقی العثمانی، ص: ۱۱-۲۰، غیر مطبوعة)

عبارات ہٰذا سے مندرجہ ذیل امور مستفاد ہوتے ہیں: ۱......واقفین خود کمپنی مالکان ہوتے ہیں۔ ۲......موقوف علیہم (جن کے لئے وقف قائم کیا جارہا ہے) اس وقف فنڈ کو چندہ دینے والے متضررین (یعنی وہ افراد جو مخصوص حادثات یا نقصان کا شکار ہوئے ہوں) ہوں گے نہ کہ ہر خاص و عام۔ ۳......وقف تحلیل (بے کار، ختم یا دیوالیہ) ہونے کی صورت میں مالِ موقوفہ فقراء پر خرچ کیا جائے گا۔ نیز یہ بات یاد رہے کہ تکافل کروانے میں خود کمپنی مالکان بھی داخل ہوتے ہیں اور دیگر شرکاءِ تکافل بھی اغنیاء ہی ہوتے ہیں۔

پہلی خرابی:

مذکورہ تفصیل کے بعد جاننا چاہئے کہ: شرعاً نقود وقف کرنے والے خود اپنی وقف کردہ منقولی شئ (نقود) سے منتفع نہیں ہوسکتے، اس کی کوئی نظیر شریعت میں نہیں ملتی۔ اس بارے میں مجوزین حضرات جو نظائر پیش کرتے ہیں، وہ سب منقولی اشیاء کے وقف سے منتفع ہونے کی نہیں ہے، بلکہ غیر منقولی اشیاء کے وقف سے خود واقف کے منتفع ہونے کی ہیں، (ملاحظہ ہو: تکافل کی شرعی حیثیت، ص: ۴۸-۵۰) اور دوسری طرف منقولِ اشیاء کے وقف کی جتنی مثالیں ہیں، وہ خلافِ قیاس نص سے ثابت ہیں، چنانچہ ان پر قیاس کرتے ہوئے دیگر منقولی اشیاء کو وقف کرنا اور ان سے واقف کا خود نفع اٹھانا ٹھیک نہیں، گویا اس صورت میں یہ واقف خود اپنے اوپر نقود وقف کرنے والا ہے، جس کو دوسرے الفاظ میں وقف علی النفس بھی کہہ سکتے ہیں، جو کہ نقود میں شرعاً متصور نہیں۔

''(لایجوز وقف ما ینقل ویحول) وقال محمد رحمه الله حبس الکراع والسلاح ومعناه وقفه فی سبیل الله وأبویوسف رحمه الله معه فیه علی ماقالوا، وهو استحسان، والقیاس أن لایجوز، لما بیناه من قبل (من

شرط التأبيد والمنقول لايتأبد) وجه الاستحسان الآثار المشهورة فيه (أى: فى الكراع والسلاح) وعن محمد رحمه الله: أنه يجوز وقف ما فيه تعامل من المنقولات كالفأس والمر والقدوم والمنشار والجنازة وثيابها والقدور والمراجل والمصاحف. وعند أبى يوسفؒ لايجوز؛ لأن القياس إنما يترك بالنص، والنص ورد فى الكراع والسلاح، فيقتصر عليه، ومحمدؒ يقول: القياس قد يترك بالتعامل كما فى الاستصناع، وقد وجد التعامل فى هذه الأشياء".

(الهداية، كتاب الوقف: ۴/ ۴۰۰،مكتبة البشرىٰ)

"ولايجوز وقف ما ينقل ويحول لأنه لايبقى على التأبيد فلايصح وقفه..........قال فى الواقعات: "إذا وقف ثوراً على أهل قرية للإنزاء على بقرهم، لايصح؛ لأن الوقف المنقول لايصح إلا فيما فيه تعارف ولاتعارف فى هذا" (الجوهرة النيرة، كتاب الوقف: ۲/ ۲۳، مكتبه حقانيه، ملتان)

"ثم إذا عرف جواز الفرس والجمل فى سبيل الله، فلو وقف على أن يمسكه مادام حياً، إن أمسكه للجهاد جاز له ذلك، لأنه بولم يشترط كان له ذلك، لأن جاعلى فرس السبيل أن يجاهد عليه، وإن أراد أن ينتفع به فى غير ذلك لم يكن له ذلك وصح جعله للسبيل، يعنى: يبطل الشرط ويصح وقفه".

(فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/ ۲۰۴، دار الكتب العلمية، بيروت)

اس آخری جزیئے میں علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

''پھر جب گھوڑے اور اونٹ کو فی سبیل اللہ وقف کرنے کا جواز معلوم ہوا تو اگر کسی نے اس شرط کے ساتھ گھوڑے کو وقف کیا کہ وہ اپنی زندگی بھر اس کو اپنے پاس رکھے گا (تو اس میں دو صورتیں ہیں) ایک: اگر اس پر خود جہاد کرنے کے لئے اس کو اپنے پاس رکھا تو یہ اس کے لئے جائز ہے، کیونکہ اگر وہ یہ شرط نہ بھی لگائے تب بھی اس کو حق حاصل ہے کہ خود اس پر جہاد کرے۔ دوم: اور اگر وقف کرنے والے کی مراد یہ ہے کہ وہ گھوڑے کو اپنے ذاتی کاموں میں استعمال کرے تو یہ اس کے لئے جائز نہیں اور اس کا وقف تو صحیح ہوگا، لیکن شرط باطل اور کالعدم ہوگی''۔

اس جزئیہ سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ منقولہ اشیاء میں وقف اسی وقت جائز ہوگا جب وہ

وجوہِ خیر یا فقراء میں فوری اور نقد وقف ہو، وقف علی النفس کے بعد نہ ہو اور اگر وقف علی النفس کرلیا تو وقف تو ہو جائے گا، لیکن ’’علی النفس‘‘ نہ ہوگا۔

نیز! نظامِ تکافل میں موقوف علیہم (پالیسی ہولڈرز) اغنیاء ہوتے ہیں (کیونکہ غرباء تو تکافل کروانے اور اس کی فیسیں بھرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے) یہ چیز اصلِ وقف کے خلاف ہے، کیونکہ وقف کا مقصودِ اصلی ہر کس و ناکس کا اس سے منتفع ہونا ہے، جبکہ تکافل کے تحت قائم کئے جانے والے وقف فنڈ سے منتفع ہونے والے صرف اور صرف اغنیاء ہوتے ہیں، اگرچہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقف فنڈ کی انتہاء (بصورتِ تحلیلِ وقف) فقراء پر خرچ کرنا ہے، اس کی صورت ان کے مطبوع مواد میں یہ بتائی گئی ہے کہ ’’اگر کبھی یہ فنڈ تحلیل ہوگیا تو اس کا مصرف فقراء ہوں گے‘‘۔ بالفاظِ دیگر ’’وقف فنڈ قائم کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ ایک خاص مدت تک (مثلاً: پچاس، ساٹھ، ستر، اسّی سال) اس وقف فنڈ کا مصرف اغنیاء ہوں گے اور وقف فنڈ کے تحلیل ہونے کی (احتمالی) صورت میں اس کا مصرف فقراء ہوں گے‘‘۔ (احتمالی اس لئے کہا گیا کہ اس وقف فنڈ کو تحلیل ہونے سے بچانے کے لئے کمپنی اس وقف فنڈ کو قرضۂ حسنہ دیتی ہے اور ایسا اس لئے کرنا پڑتا ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو پالیسی ہولڈر کسی صورت میں اس بات کے لئے تیار نہ ہوگا کہ بوقتِ ضرورت اس کی مدد نہ کی جائے، اُن (پالیسی ہولڈرز) کو ان سارے وقف وغیرہ کے چکروں سے غرض نہیں، ان کو تو اس سے غرض ہوتی ہے کہ ان کے نقصان کی تلافی کی جائے، چنانچہ اگر کمپنی وقف فنڈ کو قرضۂ حسنہ نہ دے تو اس صورت میں تو اُن کا سارا نظام ہی ٹھپ ہوجائے گا)۔

دوسری خرابی:

انشورنس عقدِ معاوضہ ہونے کی وجہ سے ربا، قمار اور غرر جیسے مہلک گناہوں کا مجموعہ تھا، تکافل کو انشورنس کی طرح ربا، قمار اور غرر سے پاک کرنے کے لئے وقف کا ماڈل اختیار کیا گیا اور وقف کو شخصِ قانونی قرار دیتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ:

> ’’(نظامِ تکافل میں عقدِ معاوضہ کی نفی کرتے ہوئے یوں کہا گیا کہ) عقدِ معاوضہ اس وقت ہوتا جب کمپنی کے مالکان کو چندہ دیا جاتا (اور) وہ اس کے مالک بنتے اور پھر پالیسی ہولڈروں کے نقصان کی تلافی کرتے‘‘۔
>
> (تکافل انشورنس کا اسلامی طریقہ، ص:۱۵۰، ادارہ اسلامیات، لاہور)
>
> اسی طرح ’’**تأصيل التأمين التكافلي على اساس الوقف**‘‘ میں لکھا ہے:
>
> **’’هـذه التـكييف إنما يصح إذا كانت هذه المحفظة لها شخصيةً معنويةً معتبرة شرعاً قانوناً، فيصح منها التملك والتمليك‘‘**
>
> **(تأصيل التأمين التكافلي على أساس الوقف، ص: ۱۱)**

خلاصۂ کلام:

انشورنس عقدِ معاوضہ تھا، جس کی وجہ سے ربا، قمار اور غرر سب خرابیاں تھی اور اب (بقول مجوزین) تکافل میں وقف ماڈل کی وجہ سے عقد معاوضہ نہ رہا، کیونکہ یہاں کمپنی کے مالکان چندوں کے مالک نہیں بنتے، بلکہ فنڈ (شخصِ قانونی) اس کا مالک بنتا ہے۔

قابل غور امور یہ ہیں کہ:

الف: شخصِ قانونی کو شرعی بنیادوں پر تسلیم کرنے والے حضرات جملہ مسائل کا حل شخصِ قانونی کے ذریعے کر لیتے ہیں، چنانچہ درپیش مسئلہ میں بھی ایسا ہی ہوا، لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ انہی حضرات کے بقول ''شخص قانونی'' بھی زندہ انسانوں کی طرح مالک بننے اور مالک بنانے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے، چنانچہ اسی بنا پر اس کو بہت سے معاملات میں عقد کا ایک فریق بھی بنایا جاتا ہے، جیسا کہ تکافل میں بھی وقف فنڈ (شخصِ قانونی) کو رب المال بنایا جاتا ہے، بلکہ اب تو عقد کے دونوں فریقوں کی جگہ شخصِ قانونی نے ہی لے لی ہے۔ (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

تو پھر اس جگہ (نظامِ تکافل میں) جب پالیسی ہولڈر وقف فنڈ کو چندہ دے کر موقوفٌ علیہم میں داخل ہوجاتا ہے تو اس سے چندے کا مالک بننے والا وقف فنڈ (جو کہ شخصِ قانونی ہے) کہتا ہے کہ اگر تم مجھے اتنا چندہ دو گے تو بوقتِ ضرورت میں تمہاری اتنی مدد کروں گا اور اگر تم مجھے اتنا چندہ دو گے تو میں تمہاری اتنی مدد کروں گا، تو دیکھ لیا جائے کہ یہ معاملہ عقدِ معاوضہ ہونے سے کیسے نکلا؟

ب: اس جگہ مجوزین حضرات یہ تاویل کرتے ہیں کہ:

> ''چندہ دہندہ کو نقصان کی تلافی کا فائدہ اس کی کسی شرط کی وجہ سے نہیں مل رہا، بلکہ وہ تو فنڈ کو چندہ دے کر اس کا رکن بن گیا ہے، اب اس کو یہ فائدہ واقفین کی شرط کی وجہ سے منجملہ موقوفٌ علیہم میں شامل ہونے پر مل رہا ہے، جو کہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے عطاء مستقل ہے''۔ (تکافل انشورنس کا اسلامی طریقہ، ص:۱۴۹، ادارہ اسلامیات، لاہور)

یعنی! وہ (پالیسی ہولڈر) یہ نہیں کہتا کہ چونکہ میں نے وقف کو اتنا چندہ دیا ہے، اس لئے میں ان فوائد کا حق رکھتا ہوں، بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ ان قواعد کی بنیاد پر مجھے یہ فوائد حاصل ہونے چاہئیں، یہ قانونی حق اس کو عقدِ معاوضہ میں داخل نہیں کرتا...... مگر سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ پالیسی ہولڈرز کو قواعد وضوابط کے تحت دعویٰ کرنے کا حق کس نے دیا؟ اسے وقف فنڈ سے اپنے نقصان کی تلافی کروانے کا قانونی حق بھی تو تکافل فنڈ کو دی جانے والی رقم کی وجہ سے ہی حاصل ہوا ہے، اب مجوزین حضرات اس قانون کی وجہ سے ملنے والی رقم کو قواعد وضوابط کا نام دیں یا پریمیم کی کمی بیشی کا، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ج: نیز تکافل کو عقدِ تبرّع قرار دے کر غرر کی نفی کی گئی ہے، چنانچہ! لکھا ہے کہ:

''لیکن اسلامی تکافل کے اندر اس غیر یقینی کیفیت سے عقد ناجائز نہیں ہوتا، کیونکہ اس کی بنیاد ''عقد تبرّع'' پر ہے اور تبرّعات کے اندر غیر یقینی کیفیت (Uncertainty) کا پایا جانا ممنوع نہیں، جبکہ عقدِ معاوضہ کے اندر ممنوع ہے''۔

(تکافل انشورنس کا اسلامی طریقہ، ص:۱۲۲، ادارۂ اسلامیات، لاہور)

تو اس جگہ سوال یہ ہے کہ شخصِ قانونی (وقف فنڈ) کو چندہ دینے والا کبھی تبرع کرنے کے لئے چندہ نہیں دیتا، کمپنی والے چاہے اس کو جو کچھ بھی کہتے رہیں، اُن کی بَلا سے! اسے تو اپنے نقصان کی تلافی اور نفع سے غرض ہوتی ہے، چاہے کسی طریقے سے ہو، بلکہ اگر اسے یہ بات بتا دی جائے کہ ''عین ممکن ہے کہ وقف فنڈ چندہ نہ ہونے کی صورت میں تلافی نہیں کرے گا، یا کسی وقت فنڈ تحلیل ہوگیا تو بھی اس کے نقصان کی تلافی نہیں کی جاسکے گی''، جیسا کہ ''تکافل کی شرعی حیثیت'' میں لکھا کہ:

''اگر فنڈ تحلیل ہوگیا تو تمام کلیمز (Claims) ادا (Pay) کرنے کے بعد سرپلس، چندے اور واجب الوصول رقوم خیراتی مقاصد میں خرچ ہوں گی، جس میں شریعہ بورڈ سے مشاورت ضروری ہوگی، جہاں تک وقف رقم ہے، تو وہ ایسے مقصد میں دی جائے گی جو ختم ہونے والا نہ ہو، شیئر ہولڈرز ان رقوم میں سے کسی رقم کے مستحق نہیں ہوں گے، تحلیل کے وقت آپریٹر متعلقہ اخراجات وصول کرسکتا ہے''۔

(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۱۰، ادارۃ المعارف، کراچی)

تو وہ ہرگز پالیسی لینے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ (تو اس وقت اچھی طرح اندازہ ہوجائے گا کہ پالیسی ہولڈر وقف وغیرہ کو فنڈ دینے سے کوئی غرض نہیں رکھتا، اس کی تو اپنی اغراض ہیں)۔

بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کے اس کو تو یقین دہانی کروائی جاتی ہے کہ وہ اپنے نقصان کی تلافی کے لئے باقاعدہ قانونی حق رکھتا ہے (چاہے مجوزین حضرات اس کی کوئی تاویل کرتے رہیں) اور اس کے لئے (کہ ہر حال میں پالیسی ہولڈر کے نقصان کی تلافی کرنی ہے) کمپنی نے اپنے وضع کردہ نظام میں باقاعدہ یہ شق رکھی ہے کہ ''وقف فنڈ خالی ہونے کی صورت میں کمپنی اس فنڈ کو قرضہ حسنہ دے گی'' (تاکہ پالیسی ہولڈرز کے نقصان کی تلافی ہر حال میں کی جاسکے)۔ جیسا کہ ''تکافل کی شرعی حیثیت'' میں آپریٹر کی ذمہ داریاں (Obligations) کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:

''فنڈ میں کمی کی صورت میں آپریٹر فنڈ کو قرضِ حسنہ دے گا''

اور اس سے کچھ ہی آگے ''فنڈ (PTF) کی آمدنی اور اخراجات (Income,Outgo)'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:

''پول کے فنڈ میں خسارے (Deficit) کی صورت میں وکیل سے حاصل شدہ

قرضِ حسنہ''۔ (ص:۱۱۰،۱۱۱)

چنانچہ دیکھ لیا جائے کہ چندہ دینے والا کس بنیاد پر چندہ دے رہا ہے اور چندہ لینے والا (شخصِ قانونی) مشروط طور پر چندہ وصول کر کے نقصان کی تلافی کرتا ہے اور باقاعدہ چندے کی بنیاد پر تلافی کرتا ہے تو کیا یہ معاملہ عقدِ معاوضہ سے نکل جائے گا؟

چنانچہ چندہ اور نقصان کی کمی بیشی ''ربا'' بنی اور تلافی کے غیر یقینی ہونے کی بنا پر یہ معاملہ ''قمار'' بنا۔

د: نیز پالیسی ہولڈر چندہ دیتے وقت (اصلاً) اس شرط سے چندہ دیتا ہے کہ اس کو کوئی نقصان ہوگا تو وقف فنڈ اس کا نقصان پورا کرے گا اور چونکہ اس کو نقصان پہنچنا یقینی نہیں، بلکہ موہوم ہے تو موہوم نقصان کی تلافی کی شرط سے وقف فنڈ کو چندہ دینا شرط فاسد ہے۔ اس جگہ اگر کوئی کہے کہ: ''ہبہ اور ہدیہ وغیرہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا، بلکہ خود شرط، فاسد ہو جاتی ہے اور ہبہ درست ہو جاتا ہے اور پالیسی ہولڈر اس بنیاد پر اپنے نقصان کی تلافی کا مطالبہ نہیں کر سکتا، بلکہ اس کے نقصان کی تلافی تو قواعد وقف کی وجہ سے کی جاتی ہے جو کہ ایک دوسرا معاملہ ہے''۔

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اتنی بات تو ٹھیک ہے، لیکن اس بنیاد پر چندہ جمع کروانے کے بعد جب نقصان کی تلافی کروالی جائے تو سارا معاملہ ایک بَن کے فاسد ہو جائے گا، مثلاً: زید نے بکر کو اس شرط فاسد پر پچاس تولے سونا قرض دیا کہ واپسی پر پچپن تولہ واپس لے گا، اب بوقت واپسی زید نے اگر پچاس تولہ سونا ہی لے لیا تو پہلی تقدیر کے مطابق اتنا معاملہ تو ٹھیک ہو جائے گا اور شرط فاسد ہو جائے گی، لیکن اگر بکر نے پچپن تولے دیئے اور زید نے لے لئے تو یہ سارا معاملہ ایک بَن کے فاسد ہو جائے گا اور سود کہلائے گا، یہاں کوئی بھی نہیں کہے گا کہ: ''چونکہ پچاس تولہ دینے کا معاملہ درست تھا اور شرط فاسد ہو چکی تھی، اس لئے واپسی پر جو پانچ تولے زائد دیا گیا، وہ اس شرط کے تحت داخل ہی نہیں ہوتا، بلکہ وہ ایک نیا ہبہ ہے''۔

خلاصہ کلام!

یہ کہ تکافل کے تحت ہونے والا یہ معاملہ پالیسی ہولڈر اور وقف فنڈ کے درمیان عقدِ معاوضہ کی حیثیت رکھتا ہے، جو کہ سود اور قمار پر مشتمل ہے۔

ہ: نیز اسے برادریوں کے درمیان بنائے جانے والے باہمی امدادی فنڈوں کے مشابہ قرار دیا جاتا ہے، جیسا کہ ''تکافل انشورنس کا اسلامی طریقہ'' میں لکھا ہے کہ:

> ''اسے ناجائز کہنے کی کوئی وجہ نہیں، یہ ایسا ہے جیسا کہ عام طور پر مختلف برادریوں میں اس طرح فنڈز بنائے جاتے ہیں، لہٰذا اس کو عقدِ معاوضہ کہنا درست نہیں''۔ (ص:۱۵۰)

حالانکہ تکافل اور برادریوں کے امدادی فنڈوں کے درمیان کھلا تضاد اور فرق ہے، ملاحظہ ہو:

۱...... برادریوں کے امدادی فنڈ سے استفادہ کرنے والے محض اغنیاء نہیں ہوتے، بلکہ حادثات کا شکار ہونے والے تمام افراد ان فنڈوں سے مستفید ہوسکتے ہیں۔

۲...... برادریوں میں مبتلیٰ بہ افراد کی امداد ان کے جمع کروائے گئے چندوں کی بنیاد پر نہیں ہوتی کہ جو کم چندہ جمع کرواتا ہے اس کی کم امداد کی جاتی ہے اور جو زیادہ چندہ جمع کرواتا ہے تو اس کی زیادہ امداد کی جاتی ہے، جیسا کہ تکافل میں ہوتا ہے۔

۳...... برادریوں میں قائم کیے جانے والے فنڈز کا قیام باہمی اخوت کی بنیاد پر ہوتا ہے، فنڈز سنبھالنے والوں کا اس سے کوئی ذاتی مفاد وابستہ نہیں ہوتا، جبکہ تکافل پالیسیاں تو وجود میں آتی ہی اسی لئے ہیں، جیسا کہ تکافل کمپنیوں کے متولی اور ڈائریکٹرز پہلے فنڈ بناتے ہیں، پھر پالیسیاں شروع کرتے ہیں، چنانچہ ڈائریکٹرز مضارب بن کر یا وکیل بن کر باقاعدہ نفع کماتے ہیں۔

۴...... برادریوں کے امدادی فنڈ میں تمام ارکان باہمی امداد اور ایک دوسرے کی بھلائی وخیر خواہی کو مدنظر رکھ کے چندہ جمع کرواتے ہیں، جبکہ تکافل میں حصہ لینے والے کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ کسی دوسرے کو کچھ مل رہا ہے یا نہیں، بلکہ اس کو تو اپنے جمع کروائے گئے مال سے زیادہ ملنا چاہئے اور بس!!۔

تیسری خرابی:

نظام تکافل میں اولاً کمپنی قائم کی جاتی ہے (جو شخصِ قانونی ہے) پھر ڈائریکٹرز کچھ مال وقف کرکے فنڈ قائم کرتے ہیں اور واقفین ہونے کے اعتبار سے وقف کے قوانین متعین کرتے ہیں (یہ وقف فنڈ بھی شخصِ قانونی ہے) پھر کمپنی پالیسی ہولڈرز کا مال اور اسی طرح وقف فنڈ کا فنڈ مضاربت میں استعمال کرتی ہے، چنانچہ وقف فنڈ ''رب المال'' ہوا اور کمپنی ''مضارب''۔ اس کے ساتھ ساتھ کمپنی وقف فنڈ کی دیکھ بھال بھی کرتی ہے، بلکہ جملہ معاملات سنبھالتی ہے، تو یہ ''متولی'' بھی ہوئی۔ مطلب: ''رب المال'' بھی شخصِ قانونی، مضارب'' بھی شخص قانونی اور ''متولی'' بھی شخص قانونی۔

(ملخص از تکافل کی شرعی حیثیت، ص: ۷۸، ۷۹، ادارۃ المعارف)

اب خارج میں دیکھیں تو ان قانونی اشخاص کو وجود دینے والے حقیقی افراد ہی کے ذریعے یہ فرضی اشخاص کام کرتے ہیں اور تمام منافع انہی (حقیقی افراد) کی تجوریوں میں جمع ہوتے ہیں تو حقیقت میں جو ڈائریکٹر (حقیقی اشخاص) موجود ہیں، جنہوں نے یہ سارا سرکل چلایا تو ہر قسم کے حقوق انہی کی طرف لوٹنے چاہئیں، نتیجتاً انہی حقیقی افراد پر رب المال اور مضارب ہونے کی نسبت صادق آئے گی۔
مزید وضاحت کے لئے سمجھیں کہ مجوزین حضرات کے بقول ''وقف فنڈ'' شخصِ قانونی ہے اور ''کمپنی'' بھی

شخصِ قانونی ہے جو فرضی، معنوی، اعتباری، بے جان، گونگا اور بہرا ہوتا ہے، اس کی طرف حقوق اور ذمہ داریاں لوٹتی ہیں، البتہ ان حقوق اور ذمہ داریوں کی ادائیگی اور معاملات وغیرہ طے کرنے کے لئے ان کو حقیقی اشخاص کی احتیاج ہوتی ہے، جو شخص ان ذمہ داریوں وغیرہ کو ادا کرتا ہے اسے ''متولی'' کہتے ہیں، چنانچہ خارج میں یعنی حقیقی اعتبار سے کمپنی جو خود بھی شخصِ قانونی ہے، وہ دوسرے شخصِ قانونی یعنی ''وقف فنڈ'' کی متولی نہیں بن سکتی، بلکہ ان دونوں کے متولی ڈائریکٹرز بنیں گے جو اشخاص حقیقی ہیں، کیونکہ عقد کے کرنے والے کا ذوی العقول میں سے ہونا شرط ہے، ملاحظہ ہو:

''شرائط الانعقاد فأنواع...... أما الذی یرجع الی العاقد فنوعان، أحدهما: أن یکون عاقلاً، فلاینعقد بیع المجنون والصبی الذی لایعقل؛ لأن أهلیة المتصرف شرط انعقاد التصرف، والأهلیة لایثبت بدون العقل، فلایثبت الانعقاد بدونه...... والثانی: العدد فی العاقد، فلایصلح الواحد عاقداً من الجانبین فی باب البیع إلا الأب''. (بدائع الصنائع، کتاب البیوع، فصل فی شروط الرکن: ۵/۵۳۳، ۵۳۷، دارالکتب العلمیة) (وکذا فی حاشیة ابن عابدین، کتاب البیوع، مطلب شرائط البیع: ۷/۱۳، دارالمعرفة بیروت)

''ویشترط فی العاقدین کونهما عاقلین، یعرفان النفع والضرر ویباشران العقد علی بصیرة وتثبت''

(حجة اللّٰه البالغة، من أبواب ابتغاء الرزق: ۲/۱۹۱، دار الکتب العلمیة)

ان عبارات کا مفہوم یہ ہے کہ عاقدین (معاملہ کرنے والوں) کا عاقل، نفع ونقصان کو جاننے والا اور صاحب بصیرت ہونا ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ شخص قانونی میں ان صفات کا پایا جانا ناممکن ہے، جس کی بناء پر تمام معاملات حقیقت میں ڈائریکٹرز ہی سرانجام دیتے ہیں، چنانچہ وہ ڈائریکٹرز جب ایک شخصِ قانونی کو ''رب المال'' اور دوسرے شخص قانونی کو ''مضارب'' بناتے ہیں (اس حال میں کہ ان دونوں کے متولی وہ خود ہوتے ہیں) تو نفس الامر میں وہ خود ہی عقد کے دونوں پہلو ''رب المال اور مضارب'' بنتے ہیں، اس لئے کہ ڈائریکٹرز حضرات ہی کمپنی اور وقف فنڈ دونوں کی نمائندگی کرتے ہیں، گویا وہ یوں کہتے ہیں کہ (وقف فنڈ کی طرف سے) ہم مال، مضاربت کے لئے دیتے ہیں اور (کمپنی کی طرف سے) ہم مال، مضاربت کے لئے وصول کرتے ہیں، دوسری طرف عام طور پر ان ڈائریکٹرز کو ہی کمپنی بھی کہا جاتا ہے، نتیجتاً ایک ہی فرد (حقیقی) خود ہی رب المال ٹھہرا اور خود ہی مضارب، جس کا شریعت میں کوئی تصور نہیں ہے۔

چوتھی خرابی:

جس طرح کوئی بھی پالیسی ہولڈر اپنا کسی بھی قسم کا تکافل کرواتا ہے، اسی طرح ہر تکافل کمپنی کے لئے بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنا تکافل کروائے، جس کو ''ری تکافل'' (Re-Takaful) کہا جاتا ہے، یہ ہر کمپنی کے لئے قانوناً لازمی ہے، ایسا ممکن نہیں ہے کہ کوئی کمپنی اپنا تکافل نہ کروائے، ری تکافل کمپنیوں کی اہمیت اور ضرورت کے بارے میں مجوزین حضرات کا ہی ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''ہر انشورنس کمپنی اپنے خطرات کا کچھ حصہ دوسری انشورنس کمپنی کے پاس انشور کرواتی ہے، مثلاً: اسی فیصد اپنے پاس رکھ کر بیس فیصد حصہ کی انشورنس دوسری کمپنی کے پاس کرواتی ہے، اس کے نتیجے میں کسی پالیسی ہولڈر کو خطرہ پیش آنے کی صورت میں اس کو ادا کی جانے والی رقم کا اسی فیصد حصہ انشورنس کمپنی خود برداشت کرتی ہے اور بیس فیصد حصہ ری انشورنس کمپنی برداشت کرتی ہے، پریمیم کی مقدار مناسب رکھنے اور خطرات کو پھیلا کر نقصان کی تلافی کو یقینی بنانے کے لئے، ری انشورنس کا جزء لازم سمجھا جاتا ہے اور قانوناً بھی لازم ہے، اس کے بغیر لائسنس جاری نہیں ہوتا، تکافل کمپنی بھی اس ضرورت اور قانون سے بالاتر نہیں ہے، البتہ تکافل کمپنی، ری تکافل کروانے کی صورت میں گویا اپنے پاس جمع ہونے والے فنڈ کو ایک دوسرے تکافل کا حصہ بنائے گی اور یوں دو تکافل وجود میں آئیں گے: ایک افراد کے درمیان اور دوسرا تکافل کمپنی اور ری تکافل کمپنی کے درمیان''۔

(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۱۴)

پھر آگے چلتے ہوئے اسی کتاب میں لکھا ہے کہ:

''جو اصول تکافل کے لئے درکار ہیں، وہی اصول ری تکافل کو بھی چلاتے ہیں''۔

(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۱۵)

نیز ایک اور جگہ لکھا ہے کہ:

''جس طرح تکافل کے دو ماڈل ہیں: وقف ماڈل اور تبرع ماڈل، اسی طرح ری تکافل بھی وقف کی بنیاد پر بھی ہو سکتی ہے اور تبرع کی بنیاد پر بھی ہو سکتی ہے، تاہم عالمی سطح پر تبرع کی بنیاد پر تکافل کا کام پہلے شروع ہوا ہے، اس لئے تبرع کی بنیاد پر کام کرنے والی ری تکافل کمپنیاں تو وجود میں آچکی ہیں، البتہ وقف کی بنیاد پر کام کرنے والی کوئی ری تکافل کمپنی عملاً وجود میں نہیں آئی، امید ہے کہ مستقبل قریب میں وجود میں آجائے گی''۔ (تکافل انشورنس کا اسلامی طریقہ، ص:۱۳۷)

خلاصہ کلام:

۱...... ہر تکافل کمپنی کے لئے اپناری تکافل کمپنی سے تکافل کروانا قانوناً لازمی ہے۔

۲......اب تک وجود میں آنے والی کوئی ری تکافل کمپنی وقف کی بنیاد پر نہیں ہے۔

۳......ری تکافل کمپنی کا مقصد کاروباری نقطہ نگاہ سے:

الف: تکافل فنڈ کے ساتھ رسک (خطرات) کو شیئر کرنا ہے، تاکہ رسک شیئر ہو جائے اور نقصان کی صورت میں کوئی ایسی صورت حال پیدا نہ ہو جس میں تکافل فنڈ دیوالیہ ہو جائے اور تکافل ممبرز کا مفاد خطرے میں پڑ جائے۔

ب: ری تکافل کا ایک کام یہ بھی ہے کہ وہ مجموعی رقم کو انوسٹ کر کے انوسٹمنٹ کا دائرہ بڑھائے اور سرپلس (بچت) میں زیادہ اضافہ ہو۔

ج: ری تکافل کمپنی انڈر رائیٹنگ فلیکسبلٹی (Underwriting Flexibility) یعنی رسک کو قبول کرنے کی لچک اور سہولت مہیا کرتی ہے اور تکافل کمپنی کو مالی سہارا دیتی ہے، تاکہ وہ مستحکم ہو اور مارکیٹ میں مروجہ کمپنیوں کے ساتھ مقابلہ کر سکے۔

د: ری تکافل کمپنی یہ بھی کر سکتی ہے کہ کمی کی صورت میں ری تکافل شیئر ہولڈرز فنڈ سے تکافل کو قرض حسنہ دے، تاکہ وہ اس سے اپنے مقاصد اور ضروریات پوری کر سکے۔

(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۱۵، ۱۱۶)

نیز ''تکافل انشورنس کا اسلامی طریقہ'' میں لکھا ہے کہ ''اگر ری تکافل کا سہارا نہ لے اور خود سارا رسک کور کرے تو اسے پریمیم زیادہ لینا ہوگا، اگر وہ اس طرح نہ کرے تو مارکیٹ کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔ (ص:۱۳۷)

مذکورہ تفصیل کے بعد یہ بات بہت حد تک کھل کے سامنے آجاتی ہے کہ ایک طرف تو نظریۂ تکافل کے لئے احادیث مبارکہ اور صحابہ کرامؓ کے واقعات سے استدلال اور دوسری طرف مذکورہ خط کشیدہ عبارتیں کیا منظر پیش کر رہی ہیں؟!۔ مذکورہ مقاصد پر نظر ڈالنے سے ہر شخص محسوس کر سکتا ہے کہ مقصود کاروبار اور اپنی تجارت کو فروغ دینا ہے اور بس۔

دوسری بات: ابھی تک کوئی بھی ری تکافل کمپنی وقف کی بنیاد پر وجود میں نہیں آسکی ہے، بلکہ جن ری تکافل کمپنیوں سے تکافل کمپنیاں اپنا تکافل کرواتی ہیں، وہ تبرع کی بنیاد پر کام کر رہی ہیں، اور تبرع کی بنیاد کو خود ہمارے مجوزین حضرات پوری طرح رد کر چکے ہیں، کیونکہ تبرع کی بنیاد صحیح اسلامی متبادل پیش نہیں کر سکتی، ذیل میں خود مجوزین کی طرف سے ان تکافل کمپنیوں پر کئے جانے والے اشکالات پیش کئے جاتے ہیں، جو تبرع کی بنیاد پر چل رہی ہیں:

''۱......اس صورت میں تکافل بھی مروجہ بیمہ کی طرح عقدِ معاوضہ بن جائے گا اور غرور یا جیسے مفاسد اس میں مؤثر ہو جائیں گے۔

۲......چندہ کی رقم چندہ ہندہ کی ملکیت سے نہ نکلنے کی وجہ سے شرعی ضابطہ کے مطابق اس کی زکاۃ چندہ دہندہ پر واجب ہونی چاہئے۔

۳......چندہ دہندہ کے انتقال کی صورت میں دیا ہوا پیسہ اس کے ترکہ میں شمار ہونا چاہئے۔

۴......نیز جب پول کا احسان چندہ دہندہ کے احسان کے ساتھ مشروط ہوگا اور دونوں پر اپنا اپنا احسان لازم ہے تو یہ ''جبر فی التبرع'' ہوگیا، یعنی زبردستی کا احسان، جس کا باطل ہونا ظاہر ہے۔ چنانچہ زیادہ تر لوگوں کو تکافل کے بارے میں یہی اشکال رہتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی تبرع کی صورت میں پیچیدگیاں (Complications) ہیں، جن کا جواب اور حل کوئی آسان کام نہیں''۔

(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۸۶، ادارۃ المعارف)

مذکورہ خرابیوں کی وجہ سے (اور بقول انہی کے اور بہت سی خرابیوں کی وجہ سے) وقف کی بنیادوں پر تکافل کا نظام وضع کیا گیا اور ان (تبرع کی) بنیادوں پر چلنے والے تکافل میں شرکت کو ناجائز کہا گیا، لیکن جب مجوزین حضرات خود پھنسے، وہاں ان حضرات نے مجبوری اور ضرورت کے نام سے خود اسی نظام کو اختیار کرلیا، چنانچہ ''تکافل کی شرعی حیثیت'' میں لکھا ہے کہ:

''خلاصہ یہ کہ تکافل کمپنیوں کے لئے مروجہ ری انشورنس (کمپنیوں) سے انشورنس کی سہولت لینا جائز نہیں، بلکہ کسی ری تکافل کمپنی کو اختیار کریں، گو اس کی تعداد فی الحال کم ہے، نیز! ری (تکافل) کمپنیاں زیادہ تر تبرع پر مبنی (Based) ہیں، وقف پر نہیں، تاہم فی الحال بدرجہ مجبوری اس کو برداشت کیا جاسکتا ہے، کیونکہ تبرع بیسڈ تکافل کے جواز کی بڑی تعداد علماء میں سے قائل ہے اور بہت سے اسلامی ممالک میں یہی ماڈل زیر عمل ہے''۔ (ص:۱۲۰)

ایک اور جگہ سوال کے جواب کو ملاحظہ فرمائیں:

''سوال: ہمارے ہاں زیادہ تر تکافل کمپنیاں وقف ماڈل ہیں، ری تکافل کمپنیاں مثلاً: سوس ری وغیرہ فی الحال اس بنیاد پر قائم نہیں، تو کیا ان ری تکافل کمپنیوں کی پالیسی لینے کی گنجائش ہے؟

جواب: جی ہاں! کیونکہ قانونی مجبوری ہے''۔ (ص:۱۲۱)

لیجئے! اب خود ہی دیکھ لیا جائے، مزید کچھ تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ جس چیز کو [مجو]زین حضرات کل تک خود غلط کہہ رہے تھے اور اس کی شرعی خرابیاں گنواتے ہوئے اس کو مسترد کرچکے

تھے اور باقاعدہ اس کے مقابل نیا نظام ترویج دے رہے تھے، جب اس میں خود ملوث ہونا پڑ رہا ہے تو اسے مجبوری کا نام دے کر جائز قرار دے دیا، ٹھیک ہے کہ بہت سارے ممالک میں اس بنیاد پر ''تکافل'' یا ''ری تکافل'' کمپنیاں موجود ہیں، لیکن مجوزین کے نزدیک تو وہ پوری بنیاد شرعی تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتی نا! تو پھر مجبوری کے نام سے ان کے ساتھ معاملہ کرنے کی اجازت دے دینے سے ان مفاسد سے بچاؤ ہوجائے گا؟ یا ان کو شرعاً برداشت کرلیا جائے گا؟ جن کو خود مجوزین حضرات شمار کرواکے اس نظام کو مسترد کرچکے ہیں، نیز! یہ مجبوری آیا وہ مجبوری بھی ہے کہ جس میں کسی قدر گنجائش کا حصول ممکن ہو، یہ مقام بھی اہل علم حضرات کے لئے غور طلب ہے۔

لہذا ری تکافل کمپنیوں سے تکافل کمپنیوں کا تکافل کروانا جائز نہیں ہے اور اگر ری تکافل کمپنیاں وقف کی بنیاد پر بھی ہوں تو بھی ان میں وہ تمام خرابیاں موجود ہیں جو پیچھے تفصیل سے ذکر کی جاچکی ہیں۔

اس سے ہٹ کر ''تکافل کی شرعی حیثیت'' میں ذکر کردہ یہ عبارت کہ ''ری تکافل کمپنی یہ بھی کرسکتی ہے کہ کمی کی صورت میں ری تکافل شیئر ہولڈرز فنڈ سے تکافل کو قرض حسنہ دے، تاکہ وہ اس سے اپنے مقاصد اور ضروریات پوری کرسکے'' مضاربت فاسدہ کو بھی بتارہی ہے۔ (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

ذکر کردہ تعبیر ظاہر کررہی ہے کہ ''ری تکافل کمپنی قرض دینے کی پابند نہیں'' تاکہ یہ اشکال نہ ہوسکے کہ کمپنی نے رقم دو اغراض کے لئے لی تھی:

۱......انوسٹمنٹ کے لئے، تاکہ سرپلس میں اضافہ ہو۔

۲......متوقع نقصانات کی صورت میں قرض حسنہ فراہم کرنے کے لئے، جیسا کہ ماقبل میں لکھا تھا کہ ''پریمیم کی مقدار مناسب رکھنے اور خطرات کو پھیلا کر نقصان کی تلافی کو یقینی بنانے کے لئے (جو قرض دینے کی صورت میں ہی ممکن ہے) ری انشورنس کو انشورنس کے لئے یا ری تکافل کو تکافل کے لئے جزو لازم سمجھا جاتا ہے اور قانوناً بھی یہ لازم ہے اور اس کے بغیر لائسنس بھی جاری نہیں ہوتا''۔ غرض یہ کہ ری تکافل کمپنی کا بظاہر مقصدِ اصلی ممکنہ نقصان میں قرض حسنہ کی فراہمی کی صورت پیدا کرنا ہے۔

اشکال کی صورت یہ ہے کہ جب تکافل کمپنی نے ری تکافل کو ۲۰ رفیصد دیا تو یہ رب المال بنی اور ری تکافل مضارب بنی، چنانچہ مضارب نے ایک طرف تو رب المال کا ۲۰ رفیصد انوسٹ کیا اور دوسری طرف ممکنہ نقصان کی تلافی کے لئے قرض حسنہ بھی فراہم کررہی ہے، تو یہ التزام عقدِ مضاربت میں شرطِ فاسد ہے، جس سے مضاربت فاسد ہوجائے گی۔

اس اشکال سے بچنے کے لئے یہ تعبیر اختیار کی گئی کہ ''ری تکافل کمپنی یہ بھی کرسکتی ہے......'' حالانکہ ری تکافل کمپنی کا مقصد وموضوع ہی یہی ہے کہ وہ ممکنہ نقصانات میں تکافل کمپنی کی مدد کرسکے،

کیونکہ سوچنے کی بات ہے کہ تکافل کمپنی تو خود اپنے پالیسی ہولڈرز کے سرمایہ میں سے ۸۰/ فیصد انوسٹمنٹ کرتی ہے، ری تکافل کمپنی کو ۲۰/ فیصد دینے کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ متوقع خطرات سے نمٹا جاسکے، بہرحال اتنی بات تو یقینی ہے کہ ری تکافل کمپنی نقصان کی صورت میں قرض دے گی اور دیتی ہے۔ (ورنہ تو تکافل کمپنی کا اس سے اپنا تکافل کروانا کچھ معنی نہیں رکھتا) اور یہ ایسا اقدام ہے جس سے مضاربت فاسد ہوجاتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

پانچویں خرابی:

ایک اور غور طلب پہلو تکافل کمپنیوں کا ایڈمن فیس اور ایلوکیشن فیس لینے کا بھی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ آنے والے پالیسی ہولڈر سے وصول شدہ رقم میں سے اس کی کل رقم کا ایک بہت بڑا حصہ ایلوکیشن فیس کے نام سے کاٹ لیا جاتا ہے، جس کی مقدار مختلف قسم کے تکافل میں مختلف ہوتی ہے، مثلاً: ۸۰/ فیصد، ۸۵/ فیصد، ۹۰/ فیصد وغیرہ۔ پھر اگلے سال ۲۰/ فیصد اور اس سے اگلے سال ۱۰/ فیصد ایلوکیشن فیس کے نام سے کاٹ لی جاتی ہے، یہ ساری فیس تکافل کمپنی کے ایجنٹ اور ذمہ داران کمپنی کی ملکیت ہوتی ہے، دوسری طرف دیکھا جائے تو اس جگہ (تکافل میں) اور انشورنس میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا، وہاں بھی پہلی قسط کا ایک بڑا حصہ کمپنی کے ایجنٹ کا ہوتا ہے، اس کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ انشورنس میں یہ ظلم ہوتا ہے کہ پہلی پوری قسط پوری کی پوری ایجنٹ کی جیب میں چلی جاتی ہے، لیکن جب اس کا متبادل نظام تکافل وجود میں آیا، تو وہاں بھی مختلف فیسوں کے نام سے پہلی قسط کا اکثر حصہ کمپنی کی ملکیت میں چلا جاتا ہے۔

اگر دیکھا جائے تو یہ (تکافل کے پیش کردہ نظریئے۔ ''جس کی تقویت کے لئے قرآن پاک، احادیث مبارکہ اور صحابہ کرامؓ کے واقعات پیش کئے جاتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ نظام محض ہمدردی اور بھائی چارے اور برادریوں میں قائم کئے جانے والے باہمی امدادی فنڈوں کی بنیاد پر ہے،، کی وجہ سے) پالیسی ہولڈر کے ساتھ زیادتی ہے، وہ اس طرح کہ اگر کوئی پالیسی ہولڈر پہلی قسط جمع کروانے کے بعد کسی وجہ سے تکافل کمپنی کو چھوڑنا چاہے تو قواعد وضوابط کے مطابق اسے صرف وہ رقم ملتی ہے جو اس کی انوسٹمنٹ کھاتے میں جمع ہو، یا اس رقم سے کی گئی سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والا نفع، وہ اس طرح کہ تکافل کرواتے ہی مثلاً: ۸۵/ فیصد رقم تو ایلوکیشن فیس کے نام سے پہلے ہی الگ کرلی گئی، باقی رقم میں سے کچھ مقدار وقف فنڈ میں ڈال دی گئی، چنانچہ یہ دونوں رقمیں تو واپس نہیں ہوسکتیں، ایک تو کمپنی کا حق تھی، اس لئے اور دوسری اس کی ملکیت سے نکلنے اور وقف کی ملکیت میں چلی جانے کی وجہ سے اور بقیہ رقم میں سے بھی ہر ماہ ڈیڑھ فیصد ایڈمن فیس کاٹی جاتی ہے، لہذا یہ ''واپس ہونے والا پالیسی ہولڈر،، جتنی دیر کرتا جائے گا اتنی رقم اس کی کم ہوتی جائے گی، تو پالیسی ہولڈر کے ہاتھ کیا آئے گا؟ سوائے اس بات کے کہ وہ

اس جگہ سے بھی ذہن لے کر نکلے گا کہ انشورنس کے متبادل پیش کیا جانے والا نظام (تکافل) بھی انشورنس ہی کی طرح لوگوں کی جیبیں خالی کرنے والا نام نہاد اسلامی نظام ہے۔

اس وقت بڑی سادگی سے کمپنی والے یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ ہم تو یہ سب کچھ پہلے سے ہی بتادیتے ہیں ناجائز اور برا تو تب ہوتا جب کوئی بات پوشیدہ رکھی جاتی۔سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح علی الاعلان بتلاکر،لوگوں کا مال مختلف طریقوں سے حاصل کرنا درست ہوجائے گا؟ بالخصوص اس وقت جب انشورنس کے نظام کوختم کرنے کے لئے نظام تکافل کی بنیاد ہی کچھ اور رکھی گئی ہو؟اس حال میں کہ فقہاء کی طرف سے کئی معاملات کومحض اس وجہ سے ناجائز قرار دے دیا جاتا ہے کہ اس میں کسی ایک فریق کونقصان پہنچتے ہوئے دوسرے کونفع ہی نفع حاصل ہورہا ہوتا ہے۔

یہ چند باتیں اہل علم حضرات کے سامنے بطور تمہید ذکر کی گئی ہیں،تا کہ اس موضوع کے ہرگوشے پرسوچتے ہوئے پختہ بنیادوں پرعوام کے سامنے کوئی راہِ عمل پیش کی جاسکے۔

اس صورت میں اس بات سے کسی طرح مفرنہیں ہوسکتا کہ صحیح صورت صرف اور صرف اسلام کے حقیقی اور ابدی نظامِ کفالتِ عامہ کا احیاء اور اس کورواج دینا ہے اور بس۔اسلامی نظامِ کفالت عامہ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا بنیادی مقصد اپنے مستقبل کے خطرات کا تحفظ،نقصانات کی تلافی اور اپنے خزانے کو بڑھانا نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کوبطور کاروبار اختیار کرنا ہوتا ہے، بلکہ اس نظام کا خاصہ اور شعار یہ ہے کہ اس معاشرے کے تمام افراد باہم ایک دوسرے کے مددگار ومعاون ہوتے ہیں اور بوقتِ ضرورت بلاکسی غرض ولالچ کے ضرورت مندوں اور مجبوروں کی حتی الوسع مدد کرتے ہیں، یہ نہیں کہ معاشرے کے مخصوص افراد کی مدد،مخصوص حالت میں،مخصوص مقدار میں کی جائے گی، (جیسا کہ انشورنس اور تکافل میں ہوتا ہے کہ جو جتنا چندہ یا فیس دے گا،صرف اسی کی اس کے بقدر مدد کی جائے گی،کسی اور کی نہیں) اسلام کے نظامِ کفالتِ عامہ کی بنیادی صورت اور خاکہ ماہ نامہ الفاروق کے شعبان ۱۴۳۲ھ بمطابق جولائی ۲۰۱۱ء کے شمارے میں پیش کیا جاچکا ہے۔

☆☆...☆☆